تدبّرِ قرآن

۳۲

السّجدۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ —— لقمان —— کا مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآنی نام بھی دونوں کا ایک ہی یعنی الٓمّٓ ہے۔ تمہید بھی دونوں کی ایک ہی نوع کی ہے۔ اس کا آغاز اس مضمون سے ہوتا ہے کہ یہ کتاب خداوند عالم کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کو اتار کر اللہ تعالیٰ نے ان امّی عربوں پر عظیم احسان فرمایا ہے جن کے اندر اب تک کوئی منذر نہیں آیا تھا۔ وہ انتہائی ناشکرے ہوں گے اگر انھوں نے اس کی قدر کرنے کے بجائے اس کے کتابِ الٰہی ہونے کے دعوے کو افترا قرار دیا۔ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد کلام کا رُخ قرآن کے ان دعاوی کے اثبات کی طرف مڑ گیا ہے جو خاص طور پر مخالفین کی وحشت کا باعث تھے اور جن کے سبب سے وہ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ آخر میں تورات کا حوالہ ہے کہ اسی طرح کی کتاب، اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر بھی اتاری تھی جس کی فرعون اور اس کی قوم نے مخالفت کی اور اس کا نہایت برا انجام ان کے سامنے آیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح تورات کے حاملین کو صبر کے امتحانوں سے گزرنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی اسی طرح تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو بھی صبر کے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ اگر تم ان مراحل سے کامیابی سے گزر گئے تو فتح تمہی کو حاصل ہوگی، تمھارے یہ مخالفین بالآخر پامال ہو کر رہیں گے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) یہ قرآن اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی طرف اس کی نسبت ایک افترا ہے وہ آگاہ رہیں کہ یہ افترا نہیں بلکہ یہ بالکل حق ہے اور اس کا مقصد ان لوگوں کو انذار کرنا ہے جن کے اندر کوئی منذر اب تک نہیں آیا تھا۔ اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان قوموں کا ہو چکا ہے جنھوں نے خدا کے منذروں کی تکذیب کی۔

(۴-۹) یہ دنیا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہے اور پیدا کر کے اس نے اس کو چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ براہِ راست وہ اس کا انتظام فرما رہا ہے۔ تمام احکام اسی کی طرف سے صادر ہوتے اور پھر اسی کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی دوسرا شریک و شفیع نہیں ہے۔ وہ خود تمام غائب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ اس نے انسان کو بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان صلاحیتوں

سے فائدہ اٹھاتے اور خدا کے شکر گزار بنتے ہیں۔

(۱۰-۱۴) منکرین قیامت کے شبہات کا جواب اور ان کے اصل محرکِ انکار کی طرف اشارہ۔ قیامت کے دن ان کا جو حال ہوگا اس کی تصویر اور اس امر کا بیان کہ اس دن کسی کا اقرار و اعتراف کسی کے لیے کچھ نافع نہ ہوگا۔ حقائق کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ان کا ماننا معتبر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سب کو ایمان ہی پر پیدا کرتا، پھر یہ عقل و تمیز کی صلاحیتیں دینے اور ان کے امتحان کی کیا ضرورت تھی!

(۱۵-۲۲) قرآن پر ایمان لانے والوں کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کہ جو لوگ استکبار سے پاک ہیں اور جن کی نگاہوں میں حق کی عزت ہے وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ یہ لوگ اس کی آیات سن کر اپنے سر جھکا دیتے ہیں، راتوں میں اٹھ اٹھ کر اپنے رب کو یاد کرتے اور اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی جو ٹھنڈک، چھپا رکھی ہے آج ان کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں اور نافرمانوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ نہیں کرے گا۔ ان نافرمانوں کو آخرت میں جو سزا ہونی ہے وہ تو ہوگی ہی، اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا تاکہ وہ متنبہ ہونا چاہیں تو متنبہ ہو جائیں۔

(۲۳-۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تم سے پہلے اللہ نے موسیٰؑ کو بھی کتاب دی تھی تو جن لوگوں نے اس کو جھٹلایا خدا نے ان سے انتقام لیا۔ اسی طرح اس کتاب کے جھٹلانے والوں سے بھی وہ لازماً انتقام لے گا اور جس طرح بنی اسرائیل کے اندر سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو امامت کا منصب بخشا جو حق پر ثابت قدم رہے اسی طرح وہ تمہارے ساتھیوں کو بھی خلق کی رہنمائی کے منصب پر سرفراز فرمائے گا اگر وہ حق پر مضبوطی سے جمے رہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تاریخ کی طرف اجمالی اشارہ کہ تاریخ کی شہادت اسی حقیقت کو ثابت کر رہی ہے بشرطیکہ لوگوں کے پاس سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں۔

(۲۷-۳۰) کفار کو وعید کہ وہ اہلِ حق کے غلبہ کی اس بشارت کو بہت بعید از امکان چیز سمجھتے ہیں اور مذاق سے پوچھتے ہیں کہ یہ فتح کب ظاہر ہوگی! ان کو جواب کہ جب یہ چیز ظاہر ہوگی تو اس وقت اس کو ماننا ان لوگوں کے لیے ذرا بھی نافع نہ ہوگا جو آج اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے کج فہموں سے اعراض کی ہدایت کہ اگر یہ لوگ فیصلہ کے دن ہی کے منتظر ہیں تو تم بھی ان کا پیچھا چھوڑو اور اسی کا انتظار کرو۔

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ (۳۲)

مَكِّيَّةٌ ———— اٰيَاتُهَا ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰیات ۱-۱۴ الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۗ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ
اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ
شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ
مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨
وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ بَلْ هُمْ
بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ بَلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

ع ۱۱ ۱۴ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ⑪ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ
نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ
هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ
النَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑬ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ
إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑭

ترجمۂ آیات ۱-۱۴ یہ الٓمّٓ ہے۔ اس کتاب کی تنزیل، اس میں ذرا شبہ نہیں، خداوندِ عالم کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود اپنے جی سے گھڑ کر اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے! بلکہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ہوشیار کر دو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ یاب ہوں۔ ۱-۳

اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دِن میں پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے سوا نہ تمھارے لیے کوئی کارساز ہے اور نہ اس کے مقابل میں کوئی سفارشی۔ کیا تم لوگ چیتتے نہیں! ۴

وہی آسمان سے زمین تک سارے امور کا انتظام فرماتا ہے۔ پھر یہ تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمھارے شمار سے ہزار سال کے برابر ہے۔ وہ غائب و حاضر کا جاننے والا، عزیز و رحیم ہے۔ ۵-۶

جس نے جو چیز بھی بنائی ہے خوب ہی بنائی ہے! اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصہ سے چلائی۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے

اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ـــ تم بہت ہی کم شکرگزار ہوتے ہو!! ۷-۹

اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے تو ہم پھر نئی خلقت میں آئیں گے! بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے آگے پیشی کے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ تمہاری جان وہ فرشتہ ہی قبض کرتا ہے جو تم پر مامور ہے پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم دیکھ پاتے اس وقت کو جب کہ یہ مجرمین اپنے رب کے حضور اپنے سر جھکائے ہوئے اعتراف کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا تو ہمیں لوٹا کہ ہم نیک کام کریں، ہم یقین کرنے والے بن گئے۔ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو اس کی ہدایت خود ہی دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ میں جنوں اور انسانوں، سب سے جہنم کو بھر کے چھوڑوں گا، تو اب چکھو مزا اس بات کا کہ تم نے اس دن کی پیشی کو بھلائے رکھا۔ ہم نے بھی تم کو نظرانداز کیا اور تم اپنے کیے کی پاداش میں اب ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ ۱۰-۱۴

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓـمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱-۲)

'الٓـمّٓ' کی تحقیق سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ سابق سورہ کی طرح اس سورہ کی تمہید بھی بقرہ کی تمہید سے ملتی جلتی ہوئی ہے۔

قرآن پر قریش اور یہود کا اصل اعتراض

'تَنْزِیْل' کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ صرف اتارنے کے نہیں بلکہ اہتمام خاص کے ساتھ درجہ بدرجہ اتارنے کے ہیں۔ 'الْکِتٰب' سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی اس کتاب کی تنزیل اللہ ربّ العٰلمین کی طرف سے ہے۔ اس کے اللہ ربّ العٰلمین کی طرف سے ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ 'لَا رَیْبَ فِیْہِ' کا یہی مفہوم ہم نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ قریش اور یہود دونوں کو سب سے زیادہ اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

دعوے سے تھا کہ یہ کتاب آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے۔ اس دعوے کو وہ، جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہوگا 'اِفْتِرَاء' قرار دیتے یعنی آنحضرت صلعم پر یہ الزام لگاتے کہ نعوذ باللہ اس کتاب کو یہ تصنیف تو خود کرتے ہیں لیکن ہمارے اوپر دھونس جمانے کے لیے اس کو جھوٹ موٹ منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (۳)

یہ سوال حیرت و تعجب کی نوعیت کا ہے کہ کیا یہ لوگ حق کی مخالفت میں ایسے اندھے بہرے ہوگئے ہیں کہ اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کے دعوے کو افتراء قرار دیتے ہیں! مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اندر انصاف اور سچائی کی کوئی رمق ہوتی تو یہ بات، وہ زبان سے نہ نکالتے لیکن یہ لوگ مخالفت کے جوش میں بالکل اندھے بہرے بن چکے ہیں۔

جواب میں دھمکی

'بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ'۔ اس الزام کا جواب قرآن مجید نے مختلف پہلوؤں سے دیا ہے جن کی وضاحت پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے۔ یہاں کوئی تفصیلی جواب دینے کے بجائے نہایت سخت دھمکی کے انداز میں دعوے کو مزید مؤکد کر دیا ہے۔ اور یہ تاکید یہاں دو پہلوؤں سے نمایاں ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ یہی حق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جس دین آبائی کے علمبردار ہیں وہ بالکل باطل ہے، صحیح دین یہی ہے جس کی دعوت یہ کتاب دے رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کتاب کے متعلق اس وہم میں نہ رہیں کہ اس کو خدا کی طرف جھوٹ موٹ نسبت دی جا رہی ہے۔ یہ فی الحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے، اگر یہ لوگ اسی طرح اس کو جھٹلاتے رہے تو اس کا انجام خود بھگتیں گے۔

اُمّی عربوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان

'لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ'۔ یہ اس کتاب کے اس اہتمام کے ساتھ اتارنے کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے اتاری ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کو اس زندگی کے انجام اور آخرت کے احوال سے آگاہ کرو جن کے اندر تم سے پہلے کوئی منذر نہیں آیا۔ یہاں 'قوم' سے مراد اہل عرب ہیں جن کے اندر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ یہ اس کتاب کے احسان کا پہلو نمایاں فرمایا گیا ہے کہ اُمّی عربوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب نازل کر کے بہت بڑا فضل فرمایا ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اس عظیم نعمت کی قدر کریں۔

ساتھ ہی اس کے اندر انذار کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے اندر اپنا منذر بھیج دیتا ہے تو اس قوم کی قسمت میزان میں آجاتی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتی تو ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو لازماً تباہ کر دیتا ہے۔ اس سنت الٰہی کی وضاحت جگہ جگہ اس کتاب میں ہو چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی
الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (۴)

انذار کا خاص موضوع

اوپر کی آیت میں اس کتاب کی تنزیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا خاص مقصد انذار بتایا گیا ہے۔ اب یہ اسی کی تفصیل آرہی ہے۔ انذار کا خاص موضوع دو چیزیں ہیں۔ ایک توحید دوسری قیامت۔ قرآن مجید اول تو اس بات سے ڈراتا ہے کہ لوگ غلط سہاروں اور فرضی معبودوں کی شفاعت کی امید پر زندگی نہ گزاریں۔ اس کائنات کا خالق و مدبر تنہا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا اور اسی کے آگے جواب دہ ہونا ہے۔ اس وجہ سے اسی کی شکر گزاری اور اسی کی عبادت و اطاعت سب پر واجب ہے۔

دوسرے وہ قیامت سے ڈراتا ہے کہ قیامت شدنی ہے۔ بالآخر سب کی پیشی خدا ہی کے آگے ہوگی۔ اس وقت مجرم اپنے جرم کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اگر ایک مرتبہ پھر انھیں دنیا میں جانے کی مہلت نصیب ہو تو وہ ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاریں گے لیکن وہاں اس قسم کی درخواستوں اور التجاؤں کا موقع باقی نہیں رہے گا۔

آیت زیر بحث اور بعد کی چند آیتوں میں توحید کا بیان ہوا ہے اس کے بعد قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر آئے گا۔

یہ کائنات کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں نہیں آئی ہے

'اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'۔ چھ دنوں سے مراد جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، خدائی ایام ہیں اور آگے وضاحت آرہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ایک دن ہمارے ہزار سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے چھ دنوں سے مراد چھ ادوار ہوں گے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کی خلقت کسی اتفاقی واقعہ کی طرح ظہور میں نہیں آئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت تدریج و اہتمام کے ساتھ وجود بخشا ہے۔ یہ تدریج و اہتمام اس کی غایت و حکمت پر دلیل ہے اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہے بلکہ ایک با مقصد با غایت کارخانہ ہے۔

اس کا انتظام اللہ تعالیٰ براہ راست خود کر رہا ہے

'ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'، یعنی اس اہتمام و انتظام سے اس دنیا کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس سے بے تعلق نہیں ہو بیٹھا ہے بلکہ وہ اپنے عرشِ حکومت پر متمکن ہو کر براہ راست اور بالفعل اس کا انتظام بھی فرما رہا ہے۔ یہ مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کر کے اس کا انتظام اپنی دوسری مقرب ہستیوں کے سپرد کر دیا ہے اور خود اس سے بالکل الگ ہو بیٹھا ہے۔ اس تصور کی بنیاد جس وہم پر تھی اس کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں۔

براہ راست انتظام کا لازمی نتیجہ

'مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ'، یہ اس کے لازمی نتیجہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب

براہِ راست تمام امور کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے تو سب کی پیشی بھی اسی کے آگے ہونی ہے اور وہی سارے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس وقت اس کے سوا نہ کوئی کسی کا کارساز و مددگار بن سکے گا اور نہ اس کے مقابل میں کوئی کسی کی سفارش کر سکے گا۔ لفظ 'دُوْنَ' میں سوا اور مقابل دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے اس وجہ سے یہاں 'وَلِیّ' کے ساتھ 'شَفِیْع' کی بھی نفی فرما دی۔

'اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ'۔ یہ تمام نتائج چونکہ مخاطب کے مسلمات پر مبنی ہیں اس وجہ سے ان کو سامنے رکھ دینے کے بعد تنبیہ کیا کہ آخر ایسی واضح باتیں تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے!!

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۵-۶)

مشرکین کے ایک خاص گروہ کی تردید

یعنی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر وہی فرماتا ہے۔ یہ مشرکین کے اس گروہ کی تردید ہے جو اس وہم میں مبتلا تھا کہ زمین چونکہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ایک دور دراز علاقہ ہے اس وجہ سے اس نے اپنی حکومت صرف آسمان تک محدود رکھی ہے، زمین کا انتظام اس نے اپنے دوسرے کارندوں کے حوالہ کر دیا ہے۔ اسی گروہ کو مخاطب کر کے قرآن میں بعض جگہ یہ سوال آیا ہے کہ کیا زمین میں الگ خدا اور آسمان میں الگ خدا ہیں! کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو!

'ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ' یعنی تمام امور صادر بھی اسی کی طرف سے ہوتے ہیں اور پھر رجوع بھی اسی کی طرف ہوتے ہیں۔ 'يَعْرُجُ اِلَيْهِ' یہاں (REFER) ہونے کے مفہوم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ احکام صادر کر کے پھر بے تعلق نہیں ہو بیٹھتا بلکہ ہر چیز اس کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہے اور وہ پوری طرح باخبر رہتا ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے کیا فرائض انجام دیے اور کس طرح انجام دیے۔

خدائی ایام کی نوعیت

'فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ'۔ عام طور پر لوگوں نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے اور اس دن لوگوں کے اعمال کی جو پیشی خدا کے سامنے ہونی ہے۔ ان کے نزدیک یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ قیامت کا دن چونکہ بہت سخت ہوگا اس کی اس سختی کو بطریق استعارہ یوں تعبیر فرمایا کہ وہ ہزار سال کے برابر بن جائے گا۔ ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بعینہٖ یہی مضمون سورۂ حج میں اس طرح آیا ہے:

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ	اور تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار سے
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۴۷)	ہزار سالوں کے برابر کا ہوتا ہے۔

وہاں یہ آیت عذاب کے لیے لوگوں کی جلد بازی کے جواب میں وارد ہوئی ہے کہ جب ان کو عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس عذاب کی دھمکی ہم ایک مدت سے سن رہے ہیں لیکن وہ آیا نہیں، اگر اس کو آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتا! ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ خدا کے کاموں کو اپنے محدود پیمانہ

سے زمانا پر۔ تمھارے دن چوبیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں اس وجہ سے تمھیں چند سالوں کی مدت بھی بہت طویل محسوس ہوتی ہے لیکن خدا کے ہاں کا ایک دن تمھارے شمار سے ایک ہزار سال کے برابر کا ہوتا ہے اور اسی کے حساب سے اس کے سارے پروگرام اور منصوبے بنتے ہیں۔ تم اپنے دنوں کو پیش نظر رکھ کر گھبرانے لگتے ہو کہ فلاں بات پر اتنی مدت گزر گئی لیکن اب تک وہ واقع نہیں ہوئی اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہو کہ یہ دھمکی تمھیں جھوٹ موٹ سنائی گئی حالانکہ خدائی دنوں کے اعتبار سے ابھی اس پر ایک گھڑی بھی نہیں گزری ہوتی ہے۔

بعینہٖ اسی سیاق میں آیت زیر بحث بھی وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام امر و تدبیر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کی طرف سے احکام صادر بھی ہوتے ہیں اور پھر اسی کی طرف لوٹتے بھی ہیں لیکن یہ صادر ہونا اور لوٹنا سب خدائی دنوں کے حساب سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہ ہر شخص ان کے نتائج سے آگاہ ہو سکتا اور نہ ہر شخص ان کی حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ بندوں کے لیے صحیح روش یہ ہے کہ وہ خدا کے معاملات میں جلد بازی نہ کریں بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کریں۔

'ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ'۔ غیب اور حاضر کا جاننے والا اور عزیز و رحیم وہی ہے۔ دوسرے کسی کا بھی یہ درجہ نہیں ہے کہ وہ کائنات کے تمام اسرار سے واقف ہو سکے۔ وہ تمام غائب و حاضر سے واقف بھی ہے اور عزیز و رحیم بھی ہے۔ اس وجہ سے بندوں کو چاہیے کہ وہ کامل حسن ظن کے ساتھ اس پر بھروسہ کریں۔

ایک شبہ کا ازالہ

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ یہی مضمون سورۂ معارج میں یوں وارد ہوا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ	فرشتے اور جبریل اس کی طرف صعود کرتے
فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ	ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مدت پچاس
اَلْفَ سَنَةٍ (۴)	ہزار سال کے برابر ہے۔

بظاہر اس آیت اور اوپر کی آیت میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تضاد نہیں ہے۔ دنوں کا یہ تفاوت مداروں کے اختلاف پر مبنی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مختلف سیاروں کے دن الگ الگ ہیں۔ پھر یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ آیت زیر بحث میں امور کے پیش کیے جانے کا ذکر ہے اور سورۂ معارج میں ملائکہ اور جبریل کی پیشی کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امور کی پیشی ہزار سال کے دن میں ہوتی ہو اور ملائکہ اور جبریل کی براہ راست پیشی کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہو۔ یہ امور غیب ہیں۔ ان کے باب میں کوئی بات جزم کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی تاہم اتنی بات بالکل واضح ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ سورۂ حج کی تفسیر میں اس مسئلہ پر ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ سورۂ معارج کی تفسیر ں ان شاء اللہ ہم اس کے بعض دوسرے گوشوں پر بھی نظر ڈالیں گے۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ
مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۷-۹)

انذارِ قیامت کے لیے تمہید صفاتِ الٰہی سے

اللہ تعالیٰ کی صفات عالم الغیب والشہادۃ اور عزیز و رحیم کو بنیاد قرار دے کر آگے قیامت کے انذار کے لیے تمہیداً استوار فرمائی کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی۔ یعنی اس نے جو چیز بھی بنائی ہے اس کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور اس کے بے نہایت علم کی شاہد ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی لے کر انسان اگر اس پر غور کرے تو اس کی عقل صانع کی صنعت و کاریگری پر دنگ رہ جاتی ہے اور وہ بے خود ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ ’تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ‘ (بڑی ہی بابرکت ذات ہے اللہ، بہترین پیدا کرنے والا!!) یہیں سے انسان پر اس حقیقت کا دروازہ کھلتا ہے کہ جو ذات اتنی قدرت رکھنے والی، اتنی حکیم، اتنی باریک بیں اور ایسی رحمان و رحیم ہے اس کی نسبت یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اتنا بڑا عالم بالکل بے مقصد کھڑا کر دے۔ پس ضرور ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس میں وہ حق و باطل میں امتیاز کرے۔ ان لوگوں کو جزا دے جنھوں نے اس کی نعمتوں کا حق پہچانا اور ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے اس دنیا میں اندھوں بہروں کی زندگی گزاری، نہ انھوں نے خود اس کی حکمتوں پر غور کیا اور نہ دوسرے غور کرنے والوں کی باتوں کو لائق اعتنا سمجھا۔

خدا کی قدرت کا کرشمہ — انسان

’وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ‘۔ اوپر والے ٹکڑے میں یہ بات جو فرمائی ہے کہ اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی، اس کے ثبوت میں خارج کی مثالیں پیش کرنے کے بجائے خود انسان ہی کی خلقت کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اپنی ہی خلقت کے مراحل و مدارج پر غور کرو اور دیکھو کہ خدا کی قدرت و حکمت اور اس کی ربوبیت کی کیا کیا شانیں تمھارے اندر ظاہر ہوئی ہیں! فرمایا کہ یہ انسان جو آج اپنی قابلیتوں پر اتنا نازاں ہے، اس کا آغاز خدائے حکیم و قدیر نے کسی بڑے قیمتی جوہر سے نہیں کیا بلکہ مٹی سے کیا، اسی سے اس کا قالب بنا اور اسی مٹی کے اندر سے اس کے اندر زندگی کی حرکت نمودار ہوئی لیکن دیکھو خالق کی قدرت و حکمت کہ اس نے مٹی کے لوندے کو کیا سے کیا بنا دیا!!

انسان کی خلقت کا دوسرا مرحلہ

’ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ‘ یہ انسان کی خلقت کے دوسرے مرحلہ کی طرف اشارہ ہے کہ دوسرے مرحلے میں اس کی حیثیت یہ ہوئی کہ مٹی کے بجائے اس کی نسل کے چلنے کا ذریعہ حقیر و ناپاک پانی کا خلاصہ بنا۔

تیسرا مرحلہ

’ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ‘۔ ’تسویۃ‘ کے معنی جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، کسی چیز کو سنوارنے اور اس کی نوک پلک درست کرنے

کے ہیں۔ آرٹ کی اصطلاح میں جس چیز کو تکمیل، یا اتمامی عمل (FINISHING TOUCH) کہتے ہیں ٹھیک وہی مفہوم 'تَسْوِيَة' کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیسرے مرحلے میں آکر اس نے مٹی سے بنے ہوئے اس انسان کے نوک پلک سنوارے اور اس کے اندر اپنی روح پھونکی تب اس کے اندر سمع و بصر اور دل کی وہ صلاحیتیں نمودار ہوئیں جو دوسری حیوانی مخلوقات کے مقابل میں اس کے لیے وجہِ امتیاز ہیں۔

انسان کا اصلی شرف

'نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ' میں روح سے مراد وہ روح ہے جس کو ہم روحِ ملکوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان کے اندر حیوانی روح کے ساتھ ایک نورِ یزدانی (DIVINE SPARK) بھی ہے اور اسی نور کے فیض سے انسان کے سمع و بصر اور فواد میں وہ روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے اس کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ اگر اس روشنی سے وہ محروم ہو جائے تو پھر اس کا باطن بھی اسی طرح تیرہ و تار ہے جس طرح حیوانات کا ہے۔ کان، آنکھ اور دل حیوانات کے پاس بھی ہیں لیکن وہ نورِ یزدانی سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں میں وہ صلاحیت نہیں ہے جو انسان کے سمع و بصر اور دل میں ہے۔ اگر انسان اپنے کو اس نور سے محروم کر لے تو پھر وہ بھی ایک حیوان ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس نور کو باقی رکھنا اور اس کو بڑھانا یا گھٹانا انسان کے اپنے اختیار پر منحصر ہے۔ جو لوگ اس کی قدر کرتے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں وہ اس میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے اندر یہ قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور جو لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ان کے اندر یہ ضعیف ہوتے ہوتے بالکل ہی بجھ جاتا ہے۔

'مِنْ رُّوْحِهٖ' میں اضافت سے مقصود فی الجملہ اس روح کے اختصاص کا اظہار ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فیوض و برکات میں سے ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ ہے۔ اس غلط فہمی پر تنبیہ اس لیے ہم نے ضروری سمجھی ہے کہ وحدت الوجود کی گمراہیوں میں بڑا دخل اسی غلط فہمی کا ہے۔

تسویہ اور نفخِ روح سے پہلے انسان حیوانیت کے دور میں تھا

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تسویہ اور نفخِ روح سے پہلے انسان پر ایک دَور ایسا بھی گزرا ہے جب انسان حیوانات کی طرح ناتراشیدہ اور بصیرت و ادراک سے محروم تھا۔ اس دَور کے بعد تسویہ نے اس کے ظاہر کو سنوارا اور نفخِ روح نے اس کے باطن کو منور کیا۔

خلاصۂ بحث

'قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ' یعنی اپنی خلقت کے ان تمام مراحل پر غور کرو کہ کس طرح خدا نے تمھارا آغاز کیا اور پھر کس درجے تک تم کو پہنچایا! حق تھا کہ تمھارا بال بال اپنے رب کی اس عنایت و ربوبیت کا شکرگزار ہوتا اور جو نعمتیں و صلاحیتیں اس نے تم کو بخشیں ان کو تم اس کی رضا کے کاموں میں استعمال کرتے لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ تم بہت ہی کم اس کے شکرگزار ہوتے ہو۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۥ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ (۱۰)

سب کچھ دیکھنے
کے بعد انسان
کی بے بصیرتی

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو سمع و بصر اور ادراک و تعقل کی جو صلاحیتیں بخشی تھیں وہ اس لیے بخشی تھیں کہ ان سے وہ کام لیں اور خدا کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کے آثار کے مشاہدہ سے اس نتیجے تک پہنچیں کہ یہ دنیا عبث نہیں پیدا ہوئی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اپنے رب کے حضور حاضر کیا جائے اور وہ جزا یا سزا پائے لیکن اس انسان کی کج فہمی کا یہ حال ہے کہ جب اس کو قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو خدا کی قدرت کی اتنی شانیں دیکھنے کے باوجود، وہ طنز و استہزاء کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے کہ کیا جب ہم گل سڑ کر زمین میں رل مل جائیں گے تو اس کے بعد از سر نو زندہ کیے جائیں گے!!

قیامت کے
انکار کے لیے
ایک بہانہ

"بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ" یعنی یہ باتیں سب اوپر کے بہانے ہیں۔ آخر خدا کی اتنی شانیں اپنے وجود کے اندر اور باہر دیکھتے ہوئے یہ اتنے غبی کس طرح ہو سکتے ہیں کہ اپنے دوبارہ پیدا کیے جانے کو اس کی قدرت سے بعید سمجھیں! اصل چیز یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے آگے پیشی اور اعمال کی جواب دہی کے منکر ہیں، اس چیز کو تسلیم کرنا ان کے دلوں پر بہت شاق ہے اس وجہ سے اس سے گریز کے لیے یہ تمام عقلی استبعادے اور شبہات گھڑے اور اٹھائے جا رہے ہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ بسا اوقات انسان انکار تو کسی اور چیز کا کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے انکار کے لیے بہانہ کسی اور چیز کو بناتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ براہِ راست اس حقیقت کے انکار کی کچھ زیادہ گنجائش وہ نہیں پاتا۔ مشرکینِ عرب کا حال بھی یہی تھا۔ وہ خدا کے قائل تھے اس وجہ سے خدا کے آگے پیشی کا صریح انکار ان کے لیے مشکل تھا لیکن اس کو ماننے سے جو بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں وہ ان کے لیے بھی تیار نہیں تھے اس وجہ سے اس سے گریز کے لیے اول تو وہ قیامت پر اس قسم کے شبہات وارد کرتے تھے جس کی ایک مثال اوپر گزری اور بدرجۂ آخر اس کو مانتے بھی تھے تو اس کے نتائج سے بچاؤ کے لیے انھوں نے شرکاء و شفعاء ایجاد کر لیے تھے۔

دونوں شبہات
کا اکٹھا جواب

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (۱۱)

یہ اوپر کی دونوں باتوں کا جواب ہے کہ جو مرتا ہے اس کو خدا کا وہ فرشتہ ہی وفات دیتا ہے جو خدا کی طرف سے ہر شخص پر مامور ہے۔ اس وجہ سے کوئی شخص مرنے کے بعد بھی خدا اور اس کے مامور ملائکہ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ہر شخص کو اٹھا کھڑا کرے گا اور وہ اس کے مامور ملائکہ کی نگرانی میں ان کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

"ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ" یعنی کوئی اس طمعِ خام میں بھی مبتلا نہ رہے کہ اس کی واپسی اس کے مزعومہ شرکاء و شفعاء کی طرف ہونی ہے۔ اس دن ان شرکاء و شفعاء کا کوئی وجود نہیں ہوگا، سب کی پیشی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سامنے ہی ہوگی اور وہی سب کا فیصلہ فرمائے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا

نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (۱۲)

خطاب کی نوعیت اور تمنی کے جواب کے حذف کی بلاغت

'وَلَوْ تَرٰٓى' میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو سکتا ہے اور عام مخاطبوں سے بھی۔ پہلی شکل میں یہ آیت تسلی کے سیاق میں ہوگی اور دوسری صورت میں تہدید کے سیاق میں۔ اگر پہلی صورت اختیار کیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ آج تو یہ لوگ تمھارے آگے بہت اکڑ رہے ہیں اور بڑے تبختر و رعونت کے ساتھ قیامت اور خدا کے آگے پیشی کا انکار کر رہے ہیں لیکن اگر تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ تمام مجرمین سر نہوڑائے اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے تو ـــــــ یہاں تمنی کا جواب محذوف ہے اور اس حذف میں بڑی بلاغت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت ان کی بے بسی کا وہ منظر دیکھتے جس کا آج تصور بھی نہیں کر سکتے!

'رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ'۔ یعنی اس وقت ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہ اعتراف ہوگا کہ اے ہمارے رب! ہم نے اچھی طرح دیکھ اور سن لیا۔ اب ہمیں ایک بار دنیا میں پھر لوٹا تاکہ ہم کچھ نیکی کمائیں۔ ہمیں ہر بات کا پورا یقین ہوگیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۱۳)

مشاہدہ کے بعد کا ایمان بے سود ہے

یہ ان کے اعتراف اور ان کی درخواست کا جواب ہے جو برسرِ موقع ان کو دیا جائے گا کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد تمھارا یہ اقرار و ایمان بالکل بے سود ہے۔ اگر اللہ کو اس طرح کا مجبورانہ ایمان پسند ہوتا تو وہ ہر شخص کو ایمان و ہدایت پر ہی پیدا کرتا۔ یہ اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہدایت کے معاملے میں اس نے لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ امتحان کرے کہ کون اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر ایمان کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون اپنی خواہشوں کی پیروی میں شیطان کی راہ پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حتمی فیصلہ کا حوالہ

'وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ' یہ اس فیصلہ کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے چیلنج کے جواب میں آگاہ فرما دیا تھا۔ قرآن میں اس کا ذکر جگہ جگہ آیا ہے۔ سورۂ صٓ میں اس کا حوالہ یوں ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	ابلیس نے کہا تیرے عزت و جلال کی قسم! میں
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝	ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ بس ان میں سے تیرے
قَالَ فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ	خاص بندے ہی بچ رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ پھر یہ
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ	بات بھی حق ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی
وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ	تجھ سے اور تیری ذریت سے اور ان انسانوں میں

اَجْمَعِيْنَ ۝ (صٓ، ۸۲-۸۵) سے جو تیری پیروی کریں گے، سب کو جہنم میں بھر کے رہوں گا۔

یہاں اس قول کا حوالہ دینے سے مقصود مجرموں کو اس بات سے آگاہ کرنا ہوگا کہ اب عذر و معذرت کا وقت گزر گیا۔ اللہ نے شیطان کے جواب میں پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ بنی آدم میں سے جن کو گمراہ کر سکتا ہے گمراہ کرے۔ انسان کو خدا نے یہ آزادی دی ہے کہ وہ چاہے تو رحمان کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو شیطان کی راہ اختیار کرے۔ دنیا کی زندگی میں یہ امتحان تھا۔ اب امتحان کا مرحلہ گزر چکا اور نتائج بھگتنے کی باری ہے چنانچہ آج وہ انجام تمھارے سامنے آگیا اور میری بات تم پر پوری ہوئی۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۴)

'نسی' کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، نظر انداز کرنے اور ٹالنے کے بھی آتے ہیں۔ یہاں یہ نظر انداز کرنے ہی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب کسی سوال و درخواست کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ جس طرح تم نے اس دن کو نظر انداز کیے رکھا آج ہم نے تم کو نظر انداز کیا۔ اب تمھاری کوئی درخواست و التجا ہمارے نزدیک درخورِ اعتنا نہیں رہی۔ اب اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ یعنی یہ تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ عمر بھر جس فصل کی تم نے کاشت کی ہے یہ اسی کا حاصل تمھارے سامنے آیا ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۵-۲۲

اوپر کی آیات سے واضح ہوا کہ جو لوگ قرآن پر ایمان لانے سے گریز کر رہے تھے ان کے گریز کے اسباب کیا تھے۔ اب آگے کی آیات میں یہ بتایا ہے کہ کس قسم کے لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان لا رہے ہیں یا لائیں گے اور ان کے لیے خدا کے ہاں کیا اجر و ثواب اور کیا مرتبہ و مقام ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں ـــــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۵-۲۲

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ
سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ⑯ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۷) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ
فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ (۱۸) اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وقف غفران
فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۹) وَاَمَّا الَّذِيْنَ
فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا
فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ (۲۰) وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ
الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۲۱) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ
بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (۲۲) ع ۲ ۱۱ ۱۵

ترجمۂ آیات ۱۵-۲۲

ہماری آیات پر تو بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بستروں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں خوف اور طمع سے اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں تو کسی کو پتہ نہیں کہ ان لوگوں کے واسطے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک پوشیدہ ہے!! ۱۵-۱۷

تو کیا وہ جو مومن ہے اس شخص کے مانند ہو جائے گا جو نافرمان ہے! دونوں یکساں نہیں ہو سکتے!! جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے راحت کے باغ ہیں جو ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں، اولین سامانِ ضیافت کے طور پر، حاصل ہوں گے۔ رہے وہ جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب جب وہ اس

میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اب اس دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کرتے رہے تھے۔ ۱۸-۲۰

اور ہم ان کو بڑے عذاب کے سوا قریب کا عذاب بھی چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سے یاددہانی کی جائے پھر وہ ان سے اعراض کریں! ہم ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے۔ ۲۱-۲۲

۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيٰتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (۱۵)

قرآن پر ایمان لانے والوں کی صفات — یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کے سیاق میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی دنیوی برتری کے زعم میں اپنے کو حق سے بھی بڑا سمجھنے لگے ہیں ان سے کسی خیر کی امید نہ رکھو، ہماری ان آیات پر صرف وہ لوگ ایمان لائیں گے جن کے دلوں کے اندر خشیت و انابت ہے۔ ان کو جب ان کے ذریعہ سے خدا اور آخرت کی یاددہانی کی جاتی ہے تو وہ جھگڑنے کے بجائے بے تحاشا سجدوں میں گر پڑتے اور اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اس کی حمد کے ساتھ۔ یعنی ان آیات سے اثر پذیر وہ لوگ ہوں گے جن کے دلوں کے اندر قساوت نہیں پیدا ہوئی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے دلوں پر اگر غفلت کا کچھ غبار ہوتا ہے تو وہ تذکیر و تنبیہ سے فوراً صاف ہو جاتا ہے اور پھر وہ حق کو ایسے جوش و جذبہ کے ساتھ اختیار کرتے ہیں کہ سالوں کی منزل، دنوں میں طے کرتے ہیں۔

'سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ'۔ 'تسبیح' اور 'حمد' دونوں کے ایک ساتھ ذکر کرنے کے فائدے پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ 'تسبیح' کے اندر تنزیہہ کا پہلو غالب ہے اور 'حمد' کے اندر اثبات کا ـــ خدا کی صحیح معرفت ان دونوں ہی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پہلو بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو انسان خدا کے باب میں ایسی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خدا کا وجود اور عدم دونوں اس کے لیے یکساں ہو کے رہ جاتا ہے۔

گُر کی بات — 'وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ' یہ اصل گُر کی بات ارشاد ہوئی ہے کہ ان لوگوں کے اندر یہ صلاحیت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ان میں استکبار نہیں ہے۔ استکبار کی حقیقت پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔

اس کا صحیح مفہوم حق کے مقابل میں اکڑنا ہے۔ یہ بیماری اُمّ الامراض ہے۔ جو لوگ اس مہلک مرض میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اپنی خواہشوں اور اپنی رائے کے مقابل میں کسی واضح سے واضح حق کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبولِ حق کی صلاحیت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہے۔ قبولِ حق کی توفیق صرف وہی لوگ پاتے ہیں جو حق کو، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہر چیز سے بالا سمجھتے ہیں اور جب وہ ان کے سامنے آتا ہے تو خواہ کسی گوشے سے آئے، یہاں تک کہ اگر ان کا دشمن بھی اس کو پیش کرے، تو وہ فوراً اس کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۱۶)

یعنی ان لوگوں پر خدا کے حضور پیشی اور آخرت کی باز پرس کا خوف چونکہ ہر وقت طاری رہتا ہے اس وجہ سے وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اور بستروں کی لذّت و راحت سے اپنے کو محروم رکھ کر اپنے رب کو پکارتے اور اس کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ ڈرتے بھی اسی سے ہیں اور امید بھی اسی سے رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں وہ خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک نماز، دوسری انفاق۔ ایمان کے بعد یہی دو چیزیں اس کے اولین مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں اور پھر انہی دو پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر ہم اس کتاب میں جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۷)

شب بیداری اور قربانیوں کا صلہ تصور سے بالاتر

یہ ان لوگوں کی شب بیداری اور انفاق کا صلہ بیان ہوا ہے کہ ان کے لیے اللہ نے آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا رکھی ہے اس دنیا میں اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ایک نادیدہ عالم کی زندگی کی خاطر ان لوگوں کی ان جانفشانیوں پر آج جو لوگ ہنس رہے ہیں وہ بھی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے اور اہلِ ایمان بھی نہال ہو جائیں گے کہ ان کی قربانیوں کا صلہ ان کے اندازوں اور قیاسوں سے کہیں بڑھ کر ملا۔

'جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ': یعنی یہ جو کچھ ان کو ملے گا ان کے اپنے ہی اعمال کا صلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی چند روزہ مساعی کا صلہ ایک ابدی بادشاہی کی صورت میں دے گا اور فرمائے گا کہ یہ تمھارے اپنے ہی اعمال کا صلہ ہے۔ ہر چند یہ جو کچھ ملے گا یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا فضل لیکن اس کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ثمرہ قرار دے گا اس لیے کہ آدمی کو اپنے کارناموں کے ثمرات و نتائج سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں حاصل ہوتی۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ (۱۸)

اوپر کی بات کی دلیل

یہ اوپر والی بات کی دلیل ارشاد ہوئی ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش

نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس دنیا کے خالق کے نزدیک مومن اور فاسق دونوں یکساں ہیں اور وہ اپنے وفادار بندوں اور اپنے باغیوں اور غداروں میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔ ایسا سمجھنا اس کارخانۂ کائنات کے مبنی برحکمت ہونے کی نفی اور اس کے خالق کے عادل، رحیم اور حکیم ہونے کا انکار ہے اس وجہ سے یہ بات صریحاً باطل ہے۔ دونوں خدا کے نزدیک یکساں نہیں ہو سکتے پس ضروری ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں خدا کے وفادار بندے اپنی وفاداریوں کا صلہ پائیں اور اس کے نافرمان اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگتیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۹)

جنات الماوٰی

یہ اس جزا اور سزا کی تفصیل بیان فرمائی کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی زندگی بسر کریں گے ان کے لیے راحت کے باغ ہوں گے جو ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں اولین سامانِ میزبانی کی حیثیت سے ملیں گے۔ 'نُزُل' اس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کے سامنے اس کے رکاب سے اترتے ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'جنّات الماوٰی' سے مراد وہ جنتیں ہیں جن میں یہ اہلِ ایمان اوّل اوّل اتارے جائیں گے۔ وہاں ان کی ابتدائی ضیافت ہوگی اور پھر وہ اصل جنت میں بھیجے جائیں گے۔ گویا ان باغوں کی حیثیت اہلِ جنت کے لیے (REST HOUSE) کی ہوگی اور اس کے جمع لانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ باغ تمام اہلِ جنت کے لیے الگ الگ ہوں گے۔ سورۂ نجم کی آیت ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ 'جَنَّةُ الْمَاْوٰى' 'سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى' کے پاس ہے اور 'سدرة المنتهٰى' عالمِ ناسوت اور عالمِ لاہوت کے درمیان آخری نقطۂ اتصال ہے اس وجہ سے اگر اس کے پاس 'جنّات الماوٰی' ہوں تو یہ ان کے لیے موزوں ترین مقام ہے۔ یہ امورِ غیب کی باتیں ہیں، ان کے باب میں کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے لفظ 'نُزُل' کے مقتضیات کی وضاحت کے لیے لکھا ہے۔ ان شاء اللہ سورۂ نجم کی تفسیر میں 'جنت الماوٰی' پر مزید بحث آئے گی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (۲۰)

فُسّاق کا انجام

اہلِ ایمان کی جزا بیان کرنے کے بعد یہ فساق و فجار کی سزا کا بیان ہے۔ فرمایا کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگی۔ یہ اس میں سیدھے دھکیل دیے جائیں گے۔ دوزخ میں ان کے لیے اولین سامانِ ضیافت، قرآن کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھولتا ہوا پانی اور زقّوم ہوگا۔ یہ وہاں سے نکلنے کے لیے زور لگائیں گے لیکن جب جب نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیل دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ وہی دوزخ اور اس کا عذاب ہے جس کا تم مذاق اڑاتے رہے تھے۔ اب اس کا مزا چکھو!

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۲۱)

قریش کے ل
تنبیہی عذا

'عَذَابِ اَدنیٰ' سے مراد اس دنیا کا عذاب ہے جو تذکیر و تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ اوپر کی آیت میں 'عذابِ اکبر' کا ذکر تھا جس سے کفار کو آخرت میں سابقہ پیش آئے گا۔ فرمایا اس 'عذابِ اکبر' سے پہلے اس دنیا میں بھی ہم ان لوگوں کو اپنے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ 'ان لوگوں' سے مراد ظاہر ہے کہ قریش ہیں۔ یہاں جو باتیں فرمائی گئی ہیں اگرچہ عام الفاظ میں فرمائی گئی ہیں لیکن ان کے اوّل مخاطب قریش ہی ہیں۔ ان کو دھمکی دی ہے کہ وہ متنبہ رہیں کہ اس دنیا میں بھی ان کو سزا ملے گی اور مقصود اس سے یہ ہوگا کہ وہ اپنی غلط روش سے باز آئیں اور صحیح زندگی کی طرف پلٹیں ــــ اس 'عَذَابِ اَدنیٰ' کا سلسلہ قریش کے لیے غزوۂ بدر سے شروع ہوا جس میں ان کو پہلا چرکا لگا اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ پھر یکے بعد دیگرے اسی طرح کے حالات سے ان کو سابقہ پیش آتا رہا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر ان کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ ان کے اندر جو اچھے لوگ تھے وہ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور جو اشرار و مفسدین تھے وہ بالتدریج ختم ہوگئے۔ چونکہ ان کی اکثریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی اس وجہ سے ان پر کوئی اس قسم کا فیصلہ کن عذاب نہیں آیا جس قسم کے عذاب پچھلی قوموں پر آئے بلکہ یہ صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دیے گئے، جیسا کہ 'لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ' کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ (۲۲)

رسول کی تذکیر
کے بعد عذاب
لازمی ہے

اوپر کی آیت میں عذاب کی جو دھمکی دی ہے یہ اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ آخر ہم ان کو عذاب کیوں نہ دیں گے! ان سے بڑھ کر ظالم و مجرم کون ہو سکتا ہے جن کو ہماری آیات کے ذریعہ سے تذکیر و تنبیہ کی جائے اور وہ ان سے رُوگردانی کریں! تذکیر و تنبیہ کا سب سے بڑا ذریعہ خدا کی کتاب اور اس کا رسول ہی ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس آخری ذریعۂ تذکیر و تنبیہ سے بھی نہ جاگے اب سنتِ الٰہی کے تحت ان کے جگانے کے لیے کوئی دوسری چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اب لاریب وہ مجرم ہیں اور ہم ایسے مجرموں سے لازماً انتقام لے کے رہیں گے۔ کسی قوم میں رسول کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے اس کی وضاحت ہم اس کتاب میں جگہ جگہ کرتے آئے ہیں۔ اس آیت کو اس کی روشنی میں سمجھیے۔

۴- آگے کا مضمون- آیات ۲۲-۳۰

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ اوپر کے پیرے میں قریش کو یہ دھمکی جو دی ہے کہ ہدایت کے اتارنے کے بعد اگر وہ اس پر ایمان نہ لائے تو لازماً وہ اس دنیا میں بھی خدا کے عذاب سے دوچار ہوں گے

اور آخرت میں بھی ان کو عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔ آگے کی آیات میں اسی حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں مبرہن کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو بشارت دی ہے کہ اگر وہ ثابت قدم رہے تو بالآخر کامیابی انہی کو حاصل ہوگی —— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۳-۳۰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ
جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۳) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (۲۴) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۲۵) اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ
كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ (۲۶) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ
الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (۲۷) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۸) قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (۲۹) فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ
اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (۳۰) ع ۲ ۸ ۱۶

ترجمہ آیات ۲۳-۳۰ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تھی تو تم اس یومِ موعود کے ظہور کے باب میں کسی شک میں نہ رہو۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا اور ہم نے ان میں پیشوا اٹھائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جب کہ انھوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔ بے شک تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کے باب میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف

کرتے رہے ہیں۔ ۲۳-۲۵

کیا ان کے لیے یہ چیز ہدایت دینے والی نہ بنی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چھوڑا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے سمجھتے نہیں! ۲۶

کیا انھوں نے دھیان نہیں کیا کہ ہم پانی کے بادلوں کو چٹیل زمین کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں پس اس سے کھیتی اگاتے ہیں جس سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی تو کیا انھیں سجھائی نہیں دے رہا ہے! ۲۷

اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ فیصلہ کا دن کب ظہور میں آئے گا اگر تم سچے ہو! کہہ دو کہ فیصلہ کے دن ان لوگوں کا ایمان نفع نہیں دے گا جنھوں نے کفر کیا ہوگا اور نہ ان کو اس کے بعد مہلت ہی دی جائے گی۔ تو ان سے اعراض کرو اور منتظر رہو، یہ بھی منتظر ہی ہیں۔ ۲۸-۳۰

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (۲۳-۲۴)

الکتاب
سے مراد
تورات ہے

'اَلْكِتٰبَ' سے مراد تورات ہے۔ جن لوگوں نے اس کو جنس کتاب کے مفہوم میں لیا ہے ان کی رائے قرآن کی تصریح کے خلاف ہے۔ 'وَجَعَلْنٰهُ' میں ضمیر کا مرجع بہرحال یہی کتاب ہے اور اس کی تعریف یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا! اس تعریف نے خود متعین کر دیا کہ یہ لفظ جنس کتاب کے مفہوم میں نہیں بلکہ تورات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

'مِنْ لِّقَآئِهٖ'
میں ضمیر کا مرجع
یوم عذاب ہے،

'مِنْ لِّقَآئِهٖ' میں ضمیر کا مرجع سیاق و سباق دلیل ہے کہ 'اَلْكِتٰبَ' نہیں بلکہ وہ یوم انتقام یا یوم عذاب ہے جس کی دھمکی اوپر کی آیات ۲۱-۲۲ میں دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو ہم نے اس دنیا میں بھی عذاب دیا اور آخرت میں بھی ان کو عذاب دیں گے، اسی طرح ہم نے تمھارے ذریعے سے جو کتاب اتاری ہے اس کی تکذیب کرنے والوں

کو بھی ہم دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دیں گے۔

'فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ' یعنی اس یوم انتقام اور یوم عذاب کے ظہور کے باب میں تم کسی شک میں نہ رہو۔ یہ فیصلہ کی گھڑی آ کے رہے گی۔ اس جملہ کا خطاب اگرچہ ظاہر الفاظ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس میں جو وعید ہے اس کا رُخ مخالفین و مکذبین کی طرف ہے، گویا بات ان سے منہ پھیر کر کہی گئی ہے۔

رسول کی بعثت کا ایک لازمی تقاضا

یہ بات ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ رسول کی بعثت اور کتاب کے نزول کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جو لوگ اس کی تکذیب کریں وہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کی سزا پائیں۔ اسی حقیقت کو اسی اختصار و جامعیت کے ساتھ دوسرے مقام میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ۝ (الفرقان: ۳۵-۳۶)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا وزیر بنایا اور ان کو حکم دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی ہے۔ پس ہم نے ان کو پامال کر کے رکھ دیا۔

یہی مضمون سورۂ مومنون میں یوں آیا ہے:

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۴۸-۴۹)	پس ان دونوں کی (موسیٰ اور ہارون کی) انھوں نے تکذیب کر دی اور ہلاک ہونے والوں میں سے بنے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب سے نوازا کہ وہ ہدایت پانے والے بنیں۔

یہی بات، ایک کلیہ کے طور پر تمام رسولوں سے متعلق بھی ارشاد ہوئی ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الروم: ۴۷)	اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے ان کی قوموں کی طرف تو وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ بالآخر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرم کے مرتکب ہوئے اور اہل ایمان کی مدد ہم پر واجب ہے۔

ان نظائر کی روشنی میں آیت زیر بحث پر غور کیجیے تو اس کا ہر جزو پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ ہمارے مفسرین نے اس کو چونکہ اس کے سیاق و سباق اور اس کے شواہد کی روشنی میں نہیں دیکھا اس وجہ سے اس کی تاویل میں ان کو بڑی الجھن پیش آئی ہے۔

کتاب سے فائدہ اٹھانے والے

'وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ' یعنی تورات۔ کے مکذبین تو اس انجام سے دوچار ہوئے جو کتاب الٰہی

کے مکذبین کے لیے ازل سے مقدر ہے البتہ بنی اسرائیل کے لیے۔ جنھوں نے اس کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیفۂ ہدایت بنایا۔ بدقسمتوں نے اس سے ٹھوکر کھائی اور جنھوں نے اس کی قدر کی انھوں نے اسی سے ہدایت حاصل کی۔ اوپر سورۂ مومنون کی جس آیت کا حوالہ گزرا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

کتاب کا ثمرہ

'وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا' یہ اس کتاب کا ثمرہ بیان ہوا ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو قوموں کی پیشوائی اور قیادت کے منصب پر سرفراز فرمایا اور ان کے اندر ایسے رہنما اٹھائے جو لوگوں کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیادت و امامت کتابِ الٰہی کے لازمی ثمرات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنی کتاب سے سرفراز فرماتا ہے وہ جب تک اس کتاب پر قائم رہتی ہے اس کو قوموں کی امامت حاصل رہتی ہے اور اس کے دشمن اس کے آگے ذلیل و پامال ہوتے ہیں۔

امامت و قیادت کے اوصاف

'يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا' یہ اس امامت کے شرائط و اوصاف بیان ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کتاب عطا کی تھی اس وجہ سے وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ بغل میں تو اللہ کی کتاب ہو اور آگے پیروی کے لیے سنتِ ابلیس ہو۔

'لَمَّا صَبَرُوْا' یہ اس بنیاد کا ذکر ہے جس پر ساری شریعت قائم ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کی توفیق انھوں نے اس وقت تک پائی جب تک وہ شریعت پر خوف و طمع سے بے نیاز ہو کر، جمے رہے۔

'وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ' یہ ان کے صبر کی اساس و بنیاد کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو اللہ کی آیات پر پختہ یقین تھا اور وہ جزا و سزا پر مضبوط عقیدہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے وہ صبر کے اس امتحان میں پورے اترے۔

ان آیات پر تدبر کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ان میں مسلمانوں کے لیے بشارت اور مستقبل کی عظیم ذمہ داریوں کی یاد دہانی بھی ہے اور وقت کے یہود پر تعریض بھی کہ وہ کیا بنائے گئے تھے اور اب کیا بن کے رہ گئے ہیں!

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۲۵)

یعنی اس دنیا کے بعد ان کا معاملہ خدا کی اخروی عدالت میں بھی پیش ہو گا اور وہ ان تمام چیزوں کے باب میں آخری فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ 'فیصلہ فرمائے گا' سے مقصود اس کا نتیجہ ہے کہ اس دن یہ اپنے اس اختلاف و نزاع کی سزا بھگتیں گے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ (۲۶)

پچھلی قوموں کی طرف اجمالی اشارہ

حضرت موسیٰؑ کے مخالفین کے انجام کی طرف خاص طور پر[1] اشارہ کرنے کے بعد پچھلی قوموں کی طرف بھی اجمالاً اشارہ کر دیا کہ کیا ان کی رہنمائی کے لیے یہ چیز کافی نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو رسولوں کی تکذیب کے جرم میں ہلاک کر چکے ہیں جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یہ اشارہ عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہ کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں پچھلی سورتوں میں بیان ہو چکی ہیں۔ قریش اپنے تجارتی سفروں میں ان قوموں کی برباد بستیوں پر سے برابر گزرتے تھے۔ 'اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ' کے اسلوب، کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ آخر یہ اپنے ہی ملک کی تاریخ سے سبق کیوں نہیں لیتے! کیوں یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ان پر گزرا وہی کچھ ان پر بھی گزر جائے!

'اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ'۔ یعنی ان سرگزشتوں کے اندر نشانیاں ہیں۔ اگر یہ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں تو انھیں ان نشانیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

—— پہلی نشانی اس کے اندر اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے سے یاددہانی کرتا ہے اگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں تو وہ مجرم قرار پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لیتا ہے۔

—— دوسری نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ اس قسم کے مجرموں کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عذاب دیتا ہے اور اس کے بعد آخرت میں بھی ان کو عذاب دے گا۔

—— تیسری نشانی یہ ہے کہ مجرموں کو سزا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیادت و امامت کے منصب پر سرفراز فرماتا ہے جو پورے استقلال کے ساتھ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

'اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ'۔ یعنی کیا یہ لوگ ان قوموں کی سرگزشتیں سنتے نہیں! مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی تذکیر و تعلیم ہی کی خاطر قرآن نے ان قوموں کی سرگزشتیں نہایت تفصیل کے ساتھ، ان کے نتائج و عبر کی وضاحت کرتے ہوئے سنائی ہیں۔ اگر اب بھی یہ اپنے کان بند کیے ہوئے ہیں تو ان کی بدقسمتی پر افسوس ہے! 'سننا' یہاں سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کے مفہوم میں ہے اس لیے کہ اصل سننا درحقیقت وہی ہے۔ گویا فعل یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا تَاْکُلُ مِنْہُ اَنْعَامُھُمْ وَاَنْفُسُھُمْ ط اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ (۲۷)

'الماء' سے یہاں مراد چونکہ پانی والے بادل ہیں اس وجہ سے اس کے لیے لفظ 'نَسُوْقُ' کا استعمال موزوں ہوا۔ 'ارض جرز' چٹیل اور بنجر زمین کو کہتے ہیں۔

---

[1] حضرت موسیٰؑ کے ذکر کی خصوصیت کے وجوہ پر ہم دوسرے مقام میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

آخرت کے دلائل کی طرف اشارہ

اوپر کی آیات میں ان تاریخی آثار و واقعات کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس دنیا میں خدا کے قانون مجازات کے شاہد ہیں۔ اب یہ آخرت کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے وقوع کو بھی بعید از امکان نہ سمجھو، وہ بھی واقع ہو کے رہے گی اور اس دن اللہ تعالیٰ اپنا آخری فیصلہ صادر فرمائے گا۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ خدا کی اس قدرت و ربوبیت کو نہیں دیکھتے کہ ہم پانی سے بوجھل بادلوں کو ہانک کر چٹیل زمینوں کی طرف لے جاتے ہیں اور پھر اس پانی سے مختلف قسم کی فصلیں اُگاتے ہیں جو ان کے مویشیوں کے کام بھی آتی ہیں اور خود ان کے کام بھی!

'اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ'۔ اوپر کی آیت میں ان کو عدم سماعت پر ملامت کی ہے۔ یہ ان کی عدم بصارت پر ملامت ہے کہ جس طرح ان کے کان بہرے ہو چکے ہیں اسی طرح ان کی آنکھوں کی بصارت بھی سلب ہو چکی ہے۔ یہ اس زمین کو مردہ اور زندہ ہوتے آئے دن دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی یہ اس شک میں مبتلا ہیں کہ خدا ان کو اس سے دوبارہ اٹھا سکنے پر قادر نہیں ہے۔

اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ربوبیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں قیامت کے وقوع اور اس کی ضرورت کی نہایت واضح دلیلوں میں سے ہیں۔ ان کی وضاحت پچھلی سورتوں کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۸)

یعنی ان لوگوں کی بے بصیرتی اور بلادت کا حال یہ ہے کہ تاریخ اور آفاق کے ان سارے شواہد و آثار کی طرف جب ان کو توجہ دلائی جاتی ہے تو طنز و استہزاء کے انداز میں یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سچ مچ اسی طرح کے فیصلہ کا کوئی دن آنا ہے اور تم لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو وہ آخر آ کیوں نہیں جاتا! مطلب یہ ہوا کہ وہ کسی چیز کو دلائل و شواہد کی روشنی میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ اس وقت مانیں گے جب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (۲۹)

یہ ان کے مطالبے کا جواب ہے کہ اگر وہ فیصلہ کے دن کو دیکھ کر ایمان لانا چاہتے ہیں تو ان کو بتا دو کہ اس کے ظہور کے بعد ایمان لانا کسی کے لیے کچھ نافع نہیں ہو گا اور اس کے بعد کسی کو اس بات کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی کہ وہ توبہ و اصلاح کر کے تلافیٔ مافات کر سکے۔ 'یوم الفتح' سے مراد فیصلہ کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اپنی قوموں کو دو عذابوں سے آگاہ کیا ہے۔ ایک قیامت کے عذاب سے، دوسرے اس عذاب سے جو رسول کی تکذیب کی صورت میں قوم پر فیصلہ کن عذاب کی شکل میں آتا ہے۔ اوپر جو سنتِ الٰہی بیان ہوئی ہے وہ ان دونوں ہی صورتوں سے متعلق ہے۔ جس طرح قیامت کے ظہور کے بعد کسی کا ایمان نافع نہیں ہو گا اسی طرح فیصلہ کن عذاب کے ظہور کے بعد بھی کسی کا ایمان نافع نہیں ہو گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول صرف وہ ایمان ہے جو عقل و بصیرت کی رہنمائی میں، اختیار و ارادہ کی آزادی کے ساتھ، لایا گیا ہو۔ مجبورانہ ایمان کی اس کے ہاں کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر مجبورانہ ایمان اس کو پسند ہوتا تو، جیسا کہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے، وہ سب کو ایمان ہی پر پیدا کرتا۔ اس کے لیے ایسا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ (۳۰)

یہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ اگر یہ لوگ فیصلہ کا دن دیکھنے ہی کے لیے مچلے ہوئے ہیں تو اب ان سے کوئی مزید بحث و گفتگو بالکل بے سود ہے۔ اب ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ اور تم بھی اسی فیصلہ کے دن کا انتظار کرو جس کے یہ منتظر ہیں۔ اللہ نے جتنی مہلت ان کے لیے مقدر کی ہے اس کے پورے ہو جانے کے بعد یہ گھڑی آ جائے گی۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔

ہفتہ۔ ۹ بجے دن
۱۷؍ اگست ۱۹۷۴ء
رحمان آباد